© rasailojaraid.com

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : مسلم مسئلہ کی تفہیم

مصنف : راشد شاز

ناشر : ملی پبلی کیشنز، ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

سال اشاعت : ۲۰۰۱ء

صفحات : ۱۴۰

قیمت : ۸۰ روپے

تبصرہ نگار : سفیر اختر ☆

تحریک پاکستان کے دوران میں یہ حقیقت سب پر عیاں تھی کہ برطانوی ہند کی تقسیم کے نتیجے میں جب پاکستان اور ہندوستان کی دو آزاد مملکتیں وجود میں آئیں گی تو مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل پاکستان میں ہندو اقلیت موجود ہوگی، اور اسی طرح ہندو اکثریت کے نئے ہندوستان میں مسلمانوں کی قابلِ لحاظ آبادی ہوگی، چنانچہ نہ تو برطانوی حکمرانوں نے مذہبی بنیادوں پر انتقالِ آبادی کا کوئی منصوبہ بنایا، اور نہ برصغیر کی سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس پہلو پر غور کیا گیا، البتہ اعلانِ آزادی سے پہلے بعض ہندو اکثریتی علاقوں، اور بالخصوص مشرقی پنجاب میں مسلمان آبادی کو حصولِ پاکستان کی سزا دینے کے لیے متعصب تنظیموں اور جتھوں نے مسلم کش فسادات کی تیاری کر رکھی تھی، چنانچہ ان علاقوں سے فسادات کے ساتھ مسلمان آبادی کا جبری انخلاء شروع ہوگیا، اسی طرح مغربی پاکستان کی حد تک ہندو اور سکھ آبادی کلیتاً نئے ہندوستان میں منتقل ہوگئی۔ نئے ہندوستان کے باقی خطوں سے مسلمانوں نے، جو بالخصوص حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں پیش پیش تھے، اپنے خوابوں کی سرزمین پاکستان کی جانب ہجرت کی، تاہم انڈین نیشنل کانگرس اور جمعیت علمائے ہند کی قیادت کے زیرِاثر مسلمانوں کے ایک بڑے حصے نے نئے ہندوستان ہی میں جمے رہنے کو ترجیح دی۔ یوں مملکت خداداد پاکستان کے ظہور پر اس کی آبادی میں تقریباً تیرہ فیصد ہندو تھے، اور نئے ہندوستان کی تقریباً

☆ چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارہ فیصد (چار کروڑ بیس لاکھ) آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

مملکت خداداد پاکستان کو آل انڈیا مسلم لیگ کی جدوجہد اور اعلانات کے مطابق ''اسلامی ریاست'' کی شکل اختیار کرنا تھی (جس کا اظہار ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو ''قرار داد مقاصد'' کی شکل میں ہوا)، مگر نئے ہندوستان میں مسلمانوں کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہوگا؟ اس سوال پر غور و فکر کرنے کے لیے انڈین نیشنل کانگرس کے ہم نوا مسلمان رہنماؤں نے مختلف نقطہ ہائے نظر کی مسلم قیادت کو ''مسلم کونشن۔لکھنؤ'' (۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء) میں یک جا کیا۔ کونشن نے غور و فکر کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ، اولاً وہ اپنی جداگانہ سیاسی شناخت پر اصرار نہ کریں، اور جداگانہ مسلم سیاسی شناخت پر مبنی تنظیمیں توڑ دیں کیوں کہ ان سے فرقہ واریت کو ہوا ملتی ہے۔ ثانیاً مسلمان ان تنظیموں میں شرکت کریں جو بلا اختلافِ مذہب سب کو اپنی صفوں میں شامل کرنے کو تیار ہیں، اور جنھوں نے سیکولرزم کو بطور اصول اپنا رکھا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی ''مسلم کونشن۔لکھنؤ'' کے مشوروں پر پورے خلوص کے ساتھ عمل کیا ہے، اور سیکولرزم، جمہوریت اور گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد کو اپنی سوچ کا حصہ بنایا ہے، مگر گزشتہ ۵۵ برسوں میں ہندوستانی مسلمانوں کو کیا حاصل ہوا؟ اقتدار میں شراکت تو کجا، نہ اُن کی اقتصادی پس ماندگی ختم ہوسکی، اور نہ تعلیمی سطح ہی بلند ہوئی، بلکہ انتہا پسند ہندو تنظیموں کی بتدریج مقبولیت نے اُن کے لیے اپنی تہذیبی مسلم شناخت کو قائم رکھنا مشکل بنا دیا ہے۔ آئے دن کے مسلم کش فسادات، اور ان کی شدت، تیز فسادات میں حکومتی مشینری کی ناکامی کے نتیجے میں نہ اُن کی جان و مال محفوظ ہے، اور نہ عزت و آبرو ہی--- یہ ہے وہ پس منظر جس میں جناب راشد شاز نے ''مسلم مسئلہ کی تفہیم'' کی کوشش کی ہے۔

جناب راشد شاز نے نوآبادیاتی دور میں مسلم اہل دانش کی سیاسی سوچ اور نقطہ ہائے نظر کے تجزیے کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ نئے ہندوستان کی مسلمان قیادت نے بحیثیت مجموعی ہندوستانی مسلمانوں کی اقلیتی حیثیت تسلیم کر لی ہے، اور اسی حوالے سے اس نے سیکولرزم اور جمہوریت کے راستے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل تلاش کیا ہے۔ جناب شاز کے نزدیک ہندوستانی مسلمانوں کے مسئلے کو اس تناظر میں دیکھنا غلط ہے۔ مسلمان کوئی ''تحفظ زدہ اقلیت'' (protected minority) نہیں ہو سکتے (ص ۱۰۴)، مسلم اُمت بنیادی طور پر قیادت کے لیے اٹھائی گئی ہے (ص ۱۰۵)، سیکولرزم پر مبنی نظامِ کفر میں اصلاحی کوششیں چنداں مفید ثابت نہیں ہوسکتیں (ص ۱۰۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک سیکولرزم کا تعلق ہے، جناب شاز کے الفاظ میں ''سیکولرزم کا یہ مفہوم کہ ریاست کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا، اور وہ تمام ہی مذاہب کی طرف ایک غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کرے گی، اس مفہوم نے مسلمانوں میں قبولیت عامہ حاصل کر لی ہے، حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے خود یہ تصور لادینیت پر مبنی تھا کہ ریاست کو دین کی رہنمائی سے یکسر آزاد کر دیا جائے'' (ص۱۰۴)۔ اس پر مستزاد ''سیکولرزم کے پردے میں جس اجتماعی نظام کی تبلیغ کی جا رہی ہے--- یہ سب کچھ اسلام کی بساط لپیٹ کر کفر کی عملداری قائم کرنے کے مترادف ہے'' (ص۶۸)۔

نئے ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی قیادت کو جناب شاز نے بحیثیت مجموعی مجرم گردانا ہے کہ اس نے سیکولرزم، جمہوریت اور گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد کے دائرے میں رہ کر ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے، حالانکہ:

> عصر حاضر کے فقہاء کے لیے لازم ہے کہ وہ مسلم اقلیت کے لیے ایک غیر اسلامی نظام میں نئی فقہ تیار کرنے کے بجائے اپنی تمام تر ذہنی قوت اس مسئلے پر مرکوز کریں کہ اسلام کو دوبارہ اکیسویں صدی کے ہندوستان میں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر عالمی سطح پر اُمت اسلامی کا ایجنڈا کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ ضرورت عبوری دور کے لیے کسی مستقل فقہ کی تیاری کی نہیں، بلکہ اسلام کو اس عہد کے انقلابی ایجنڈا بنانے کی ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی فکر اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ مختلف زمانے کے فقہی مباحث اور نظری دھندلکوں سے نکل کر اسلام کے اصل محور پر لوٹ آئے۔ فکر اسلامی کی تشکیلِ نو کے بغیر فلاح و بہبود کا کوئی منصوبہ اور اصلاح معاشرہ کی کوئی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی۔ یہی وہ ام المسائل ہے جس سے تمام مسئلے جنم لیتے ہیں اور جس نے ہندوستان ہی نہیں، عالمی سطح پر بھی اُمتِ مسلمہ کو ایک فکری اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تبدیلیاں فکر سے جنم لیتی ہیں۔ ہندوستانی مسلمان احساسِ اقلیت کی جس عقوبت گاہ میں مدت سے قید ہیں، جب تک وہ اس نفسیاتی حصار سے باہر نہیں نکلتے، ان کا دوبارہ منصبِ سیادت پر فائز ہونا ممکن نہیں'' (ص۱۰۹)۔

''مسلم مسئلہ کی تفہیم'' میں بعض ایسے مسائل اٹھائے گئے ہیں جو اہلِ دانش کو ماضی میں پریشان کرتے رہے ہیں، اور آج بھی غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسے چند مسائل یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ غیر مسلم اکثریت کے ملک میں مسلمان اقلیت کی اپنے وطن اور اُمت مسلمہ کے ساتھ وفاداری

جناب راشد شاز نے تاریخ کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ہندوستانی مسلمان ''نئے ہندوستان کے قیام سے پہلے اپنے آپ کو عالمی اسلامی برادری کا اٹوٹ حصہ سمجھتے رہے ہیں'' (ص ۱۹)، مگر نوآبادیاتی دور میں سرسیّد احمد خان نے کوشش کی کہ ہندوستانی مسلمان بیرون ہند کسی خلیفہ کی جانب دیکھنے کے بجائے مقامی حکمرانوں کو اولوالامر سمجھیں، چاہے یہ حکمران غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں اور انہوں نے اقتدار پر بزورِ بازو ہی کیوں نہ قبضہ کیا ہو (ص ۲۷)۔

نو آبادیاتی دور میں سرسیّد احمد خان کے اثر و رسوخ اور اُن کی خدمات کے اعتراف کے باوجود برطانوی ہند کے مسلمان اُمتِ اسلامیہ کے مسائل سے الگ تھلگ نہیں رہے۔ ''تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء-۱۹۲۴ء) کا خود جناب شاز نے ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ تاتاری مسلمانوں کے مسائل ہوں، یا فلسطین میں یہودی آبادکاری کے نتیجے میں اجڑنے والے مسلمانوں کے، برصغیر کے مسلمان اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ وطن اور اُمت مسلمہ کے ساتھ بیک وقت وفاداری کی صورت میں الجھن پیدا ہونے کے مواقع پر جہاں وطن کو اُمت پر ترجیح دینے والے رہے ہیں، وہیں اُمت پر وطن کو قربان کر دینے والوں کی بھی کمی نہیں رہی۔

جناب شاز نے واضح کیا ہے: '' اُمت کا وسیع تر مفاد جب ملکی مفاد کے تابع ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا تعلق اب اس بین الاقوامی اُمت سے منقطع ہو چکا ہے جسے اللہ کے رسولؐ نے ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے'' (ص ۸۴)۔

☆ ایک عالمی خلافت یا علاقائی خلافتوں کا اتحاد

جناب راشد شاز نے ''فکر اسلامی کے جائزے'' میں اقبال کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے، کیوں کہ ''اقبال صدی کی پوری اسلامی فکر پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے دکھائی دیتے ہیں'' (ص ۴۸)، تاہم اقبال کے فکر و دانش کے بعض پہلو ان کی سخت گرفت سے نہیں بچ سکے۔ جناب شاز اس رائے کے مالک ہیں کہ پوری اُمتِ اسلامیہ ایک خلیفہ کے ماتحت ہو، اور ''اولوالامر'' کے تصور سے یہی متبادر ہوتا ہے، جب کہ ''ایک امام کی قیادت میں، احیاء اُمت کے خیال کو اقبال ناقابلِ عمل گردانتے ہیں'' (ص ۴۲، حاشیہ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو

جناب شاز کا ایک مفصل اقتباس اُوپر نقل کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو پر زور دیا ہے۔ اس تشکیلِ نو میں ''انسانی تجربات'' کی کیا اہمیت ہوگی؟ اُمت مسلمہ کے فکر و دانش کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ مسلمانوں نے حکمت و دانش کو ''ضالۃ المومن'' سمجھتے ہوئے جہاں سے ملی ہے، حاصل کیا ہے۔ کیا غیر مسلم دنیا کے تجربات اس سلسلے میں آج مدد دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مشاورت / شوریٰ ایک اسلامی تصور ہے، مگر آج دنیا میں مشاورت کی جو شکلیں ہیں، کیا یہ من وعن یا ترمیم کے ساتھ اسلامی ادارے کے طور پر قبول کی جا سکتی ہیں؟ کیا پارلیمنٹ کا وجود مغربی ادارہ ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیا جائے گا؟ جناب شاز کا ذہن کسی ایسے ادارے کو جذب کرنے کے لیے تیار نظر نہیں آتا جو مسلم دنیا سے باہر وجود میں آیا، اور وہیں پروان چڑھا ہے۔

☆ غیر مسلم اکثریت کی سیکولر ریاست اور مسلمان شہری

اس امر میں تو اسلامی ریاست کے حامیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ مسلم اکثریت کے خطوں میں اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق زندگی منظم ہونا چاہیے، مگر جہاں مسلمان عددی طور پر اقلیت میں ہیں (چاہے مسلمان اپنی نظریاتی حیثیت پر کتنا ہی زور کیوں نہ دیں، جمہوری طور پر اُن کی آواز کمزور ہی رہتی ہے)، کیا وہاں مسلمان شہری ریاستی قانون کا احترام نہ کرے گا، اور وہ اپنے دینی نقطہ نظر کے مطابق ''انقلاب'' کے لیے کوشاں ہوگا؟ کیا اس کے لیے فطری دائرہ یہ نہ ہوگا کہ وہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے پہلے اپنے نقطہ نظر کو عام کرے، اور قابل لحاظ عددی قوت کے بعد اسلامی ریاست یعنی خلافت کے لیے کوشاں ہو۔

''مسلم مسئلہ کی تفہیم'' کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ مسئلے کی تفہیم میں ''تنقیدی'' پہلو نسبتاً زیادہ ہے، اور نئے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے مثبت طور پر لائحہ عمل تجویز کرنے میں بے حد اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

جناب شاز نے جا بجا اپنی بات کو حوالوں سے تقویت دی ہے، تاہم بعض حوالے غیر موزوں نظر آتے ہیں۔ صفحہ ۱۲ پر اقبال کے ایک مقالے ''خلافت اسلامیہ'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ''مقالات اقبال'' (مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی، لاہور: شیخ محمد اشرف، مئی ۱۹۶۳ء) میں بھی شامل ہے، مگر اس میں وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاثر موجود نہیں جس کی جانب جناب شاز نے اشارہ کیا ہے۔ (اصلاً یہ مقالہ انگریزی میں لکھا گیا تھا جو ۱۱-۱۹۱۰ء میں Hindustan Review میں دو قسطوں میں چھپا تھا۔ انگریزی متن اور اُردو ترجمہ بزم اقبال-لاہور نے ۱۹۸۹ء میں یک جا شائع کر دیا تھا۔)

صفحہ ۴۳ پر اقبال کا ایک قول نقل کیا گیا ہے اور حاشیے میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ خود انھوں نے اسے اپنے ایک مقالے سے لیا ہے۔ قاری کے لیے اقبال کی تحریر کا حوالہ ضروری تھا، جب کہ جناب شاز کے لیے اصل حوالہ نقل کرنا چنداں مشکل بھی نہ تھا۔ اسی طرح یہ واضح نہیں ہوتا کہ جناب شاز اقبال کی انگریزی کتاب The Reconstruction of Religious thought in Islam کا حوالہ کیوں دیتے ہیں اور کبھی اس کے اُردو ترجمے پر انحصار کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ وہ سید نذیر نیازی کے ترجمے پر اکتفاء کرتے؟ یا خود ترجمہ کرتے۔

صفحہ ۴۶ پر اقبال کے حوالے سے حاشیہ-۵۷ لکھا گیا ہے، حاشیے اور متن کے مضمون میں مطابقت نہیں۔ صفحہ ۴۷ پر مولانا ابوالکلام آزاد کے ''خطبات'' کا حوالہ دیا گیا ہے اور حاشیہ انگریزی الفاظ میں درج ہے۔ کیا ''خطبات'' انگریزی زبان کی تالیف ہے؟

''مسلم مسئلہ کی تفہیم'' نئے ہندوستان کے مسلمانوں کے حوالے سے تو قابلِ مطالعہ ہے ہی، مگر برصغیر کی مسلم فکر و دانش کے تناظر میں بھی اس کا مطالعہ دلچسپ ہے۔

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com